۲۷۔ عباس بن ابراہیم، الاعلام، مراکش، ۳۴۵/۹

۲۸۔ ابن فرحون، دیباج المذھب، المعاہد، قاہرہ ص۱۷۰

۲۹۔ قاضی عیاض، از عبدالحکیم شرف، قادری، نقوش رسول نمبر، ۶۴۰/۱

۳۰۔ حاجی، خلیفہ، کشف الظنون، ۱۰۵۴/۱

۳۱۔ قاضی، عیاض بن موسیٰ، از نامعلوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۵۱/۱

۳۲۔ دہلوی، شاہ، عبدالعزیز، بستان المحدثین ص۳۴۳، ۳۴۲

۳۳۔ ایضاً ص۳۴۲

۳۴۔ ملاعلی قاری بن سلطان، شرح الشفاء، بیروت، ۵۲/۱

۳۵۔ خفاجی، احمد شہاب الدین نسیم الریاض، مطبوعہ بیروت، ۵۲/۱

۳۶۔ ایضا، نسیم الریاض، ۵۲/۱

۳۷۔ قادری، عبدالحکیم شرف، قاضی عیاض، نقوش رسول نمبرا، ج۱ ص۶۴۰

۳۸۔ محمد باقر بن زین العابدین الشیعی، روضات الجنات ص۵۱۶

۳۹۔ محمد طفیل، نقوش رسول نمبر، عبدالعزیز شاہ، محدث، دہلوی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۲، ص۶۳۹

۴۰۔ الحوالی، سفر بن عبدالرحمٰن، شرح العقیدۃ الطحاویۃ للحوالی، ۱۷۸۵/۱

۴۱۔ حمادہ، فاروق، ڈاکٹر، من مصادر السیرۃ النبویۃ، دارالثقافۃ، ۱۱/۱

۴۲۔ الخوانساری، ارشیف ملتقی اھل الحدیث، ۴، ج۱ ص۴۳۶۹

۴۳۔ الذھبی، امام ابوعبداللہ شمس الدین، سیر اعلام النبلاء، ج۲۰، ص۲۱۶

۴۴۔ ترابی، بشیر علی حمد، ڈاکٹر، القاضی وجھودہ فی علم الحدیث، ص۲۲

اصولِ ترجیح: فقہاء اور اصولیین کی نظر میں

عرفان خالد ڈھلوں*

ترجیح سے مراد ایک رائے کو دوسری پر فضیلت دینا ہے(۱)۔ اگر کسی مسئلہ کے حکم پر ایک سے زیادہ آراء پائی جائیں تو یہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ اس مسئلہ پر عمل کرنے کے ایک سے زیادہ پہلو ہیں۔ ایسے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا۔ ایک وقت میں ایک ہی پہلو پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ مسئلہ کے ایک پہلو کو متعیّن کرنے کے لیے کسی ایک رائے کو دیگر آراء پر ترجیح دی جاتی ہے۔

فقہِ اسلامی کے منصوص احکام جو اپنے ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی ہوتے ہیں ان پر عمل کا ایک ہی پہلو ہوتا ہے اور وہی پہلو اختیار کرنا لازم ہے۔ لیکن غیر منصوص اور ظنّی احکام میں مجتہدین کے ایک سے زیادہ اقوال پائے جاتے ہیں۔ غیر منصوص مسئلہ کا شرعی حکم دریافت کرنے کے لیے مختلف اسالیب اختیار کرتے ہوئے اجتہاد کیا جاتا ہے۔ ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے نتیجہ میں ایک شرعی حکم تک پہنچتا ہے۔ اگر کسی ایک شرعی حکم پر سب مجتہدین کا اتفاق نہ ہو تو پھر ایسے مسئلہ میں مجتہدین کے ایک سے زیادہ اقوال اور اس مسئلہ پر عمل کے ایک سے زیادہ پہلو بن جاتے ہیں۔ ان سب پہلوؤں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے تاکہ مسئلہ کے ترجیحی پہلو پر عمل کیا جا سکے۔ اختلافی اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مرجوح اقوال کو باطل قرار دیا جارہا ہے۔ یہ محض ترجیح کی بات ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) جامد تقلید کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> واقعہ یہ ہے کہ ان فقہی اختلافات میں سے اکثر۔ خصوصاً جن مسائل میں صحابہؓ بھی مختلف تھے، اور دونوں طرح کی آراء ان سے منقول ہیں، مثلاً تشریق کی تکبیروں اور عیدین کی تکبیروں کا اختلاف، نکاحِ مُحرِم کے جواز کا اختلاف، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تشہد اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف، آمین اور بسم اللہ کو نماز میں آہستہ یا بلند آواز میں پڑھنے کا اختلاف، اقامت میں کلماتِ اذان کو ایک بار یا دو بار کہنے کا اختلاف وغیرہ۔ ایسے اختلافات ہیں جن کی نوعیّت بس ایک رائے اور مسلک کو دوسرے مسلک پر ترجیح دینے کی ہے، ورنہ ان کی اصل مشروعیت میں ائمہ سلف کا کوئی اختلاف نہیں۔ (یہ سبھی مانتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کتاب وسنّت سے مستنبط ہیں اور جائز ومشروع ہیں)۔ ان

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور، پاکستان۔

کا آپس میں اختلاف جو کچھ تھا صرف اس امر میں تھا کہ فلاں مسئلہ میں جو دو پہلو ہیں ان میں سے اولیٰ اور زیادہ بہتر صورت کون سی ہے۔ ان کے اس اختلاف کی نوعیّت بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ قرأتِ قرآن کے اختلاف کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اختلافات کی تعلیل بھی یہی کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اختلافِ رائے رکھتے تھے جبکہ صحابہؓ سب کے سب ہدایت کی روشن شاہراہ پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق مسائل اجتہادیہ میں تمام اربابِ افتاء کے فتوؤں کو جائز سمجھتے اور قاضیوں کے فیصلوں کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔(۲)

غیر منصوص مسئلہ کے حکم پر متعدد اقوال میں سے کسی ایک قول کو کیسے ترجیح دی جائے گی، اس بارے میں فقہاء اور اصولیین کا موقف کیا ہے، یہ مقالہ ہذا کا موضوع ہے۔ اس مقالہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ یہ اعزاز رکھتے ہیں کہ انہوں نے صاحبِ شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ انہوں نے وحیِ الٰہی کی تصدیق اور قبولِ اسلام میں سبقت کی۔ انہوں نے دعوتِ اسلام کو اس وقت قبول کیا جب دوسرے اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ انہوں نے نزولِ شریعت کا زمانہ پایا۔ وہ ان حالات اور واقعات کے عینی شاہد ہیں جو وجہِ نزولِ شریعت بنے۔ وہ احکامِ شریعت کے شانِ نزول سے آگاہ تھے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو قریب سے دیکھا۔ ایک ایک فعلِ نبوی کو اپنے ذہنوں پر نقش کیا اور پھر ان تمام مشاہدات کا اپنی زندگیوں میں لازمی اہتمام کیا۔ صحابہ کرامؓ نے احکامِ الٰہی کی تعلیم براہِ راست صاحبِ وحی سے حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نفوسِ صحابہؓ کا تزکیہ فرمایا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔ صحابہ کرامؓ متنِ شریعت اور مفہومِ شریعت کے فہیمِ اوّل ہیں۔ انہوں نے صرف احکامِ شریعت ہی نہیں سیکھے بلکہ عقل ودانش اور حکمت ودانائی بھی اس ذات صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جس کا ذریعۂ علم وحیِ الٰہی ہے۔ صحابہ کرامؓ شریعتِ اسلامی کے اوّلین مزاج شناس ہیں۔ وہ شارع اور شریعت کی غرض ومنشا سے سب سے زیادہ آگاہ ہیں۔ قانون کی اصل غرض ومنشا سے آگاہ اس کا شارع ومقنن ہوتا ہے۔ جو شخص شارع سے جتنا زیادہ قریب ہے اس کے لیے قانون کی غرض ومنشا کا جاننا اتنا ہی زیادہ آسان ہوتا ہے اور اس ضمن میں اس شخص کا فہم وادراک اتنا ہی زیادہ صائب ودرست ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ دین کے سچے راویٔ اوّل ہیں۔ وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں جس سے احکامِ دین ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ صاحبِ وحی اور اپنے بعد والوں کے درمیان ایک لازمی واسطہ ہیں۔ ان کی گواہی وشہادت، دعوت اور روایت بعد والوں کے لیے ایمان کا ذریعہ بنی ہے۔ صحابہ کرامؓ پہلا طبقہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے غیر منصوص مسائل کا شرعی حکم دریافت کرنے کے لیے اجتہادات کیے۔ فقہ اسلامی میں صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال سے بہت استفادہ کیا گیا ہے۔ اسلامی قانون میں اصولِ ترجیح کی وضاحت کے لیے صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے۔

اگر کسی مسئلہ کے شرعی حکم میں صحابہ کرامؓ کے ایک سے زیادہ اقوال پائے جائیں تو ان اختلافی اقوال میں ترجیح قائم کی جائے گی۔ اقوالِ صحابہؓ میں تعارض اور اختلاف کی وجہ سے مسئلہ پر عمل درآمد روکا نہیں کیا جائے گا، جیسے آیات اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہری تعارض کی وجہ سے وقوف جائز نہیں ہے(۳)۔ ایک مسئلہ میں صحابہؓ کے اختلافی اقوال ہونا ایسے ہی ہے جیسے قیاس کے مختلف پہلوؤں کا تعارض ہو۔ جب صحابہ کرامؓ نے ایک مسئلہ میں اختلاف کیا اور کسی نے بھی اس مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے مرفوع حدیث سے دلیل قائم نہیں کی تو اب یہ احتمال نہیں رہا کہ کسی صحابی نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہوگا۔ یوں اس مسئلہ میں توقیف کا احتمال ساقط ہوگیا اور رائے اور اجتہاد کا پہلو متعیّن ہوگیا۔ اس سے ان اقوال میں ترجیح قائم کرنا لازم ہوجاتا ہے(۴)۔

صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں ترجیح کی صورت کیا ہو؟ اس بارے میں فقہاء و اصولیین کی آراء مندجہ ذیل ہیں:

امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) سے مروی ایک قول ہے:

"آخذ بكتاب الله فما لم أجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فما لم أجد في كتاب الله ولا في رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذت بقول أصحابه بقول من شئت منهم وأدع من شئت منهم ولا أخرج من قولهم إلى قول غيرهم"(۵)

''میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں، اگر نہ پاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے لیتا ہوں۔ اگر کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملے تو آپؐ کے صحابہؓ کے اقوال سے لیتا ہوں۔ ان میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہیں نکلوں گا۔ صحابہؓ کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف نہیں جاؤں گا۔''

امام ابوحنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا:

"ما جاء عن رسول الله فعلى الراس والعين بأبي هو وأمّي وليس منّا مخالفته وما جاء نا عن أصحابه تخيّرنا وما جاء نا عن غيرهم فهم رجال ونحن رجال" (۶)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ملے تو سر آنکھوں پر اور میرے والدین قربان۔ ہم میں سے کوئی اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔ جو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے آئے تو ہم انتخاب کریں گے۔ جو صحابہؓ کے علاوہ دوسروں سے آئے تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔''

آپ ہی کا ایک اور قول ہے:

إذا جاء نا الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذنا به وإذا جاء نا عن

الصحابة تخيّرنا وإذا جاء نا عن التابعين زاحمناهم(۷)

جب ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ملے تو ہم اسے لیں گے۔ جب ہمارے پاس صحابہ کرامؓ سے آئے تو ہم بہتر کا انتخاب کریں گے اور جب ہمارے پاس تابعین سے آئے تو ہم ان سے بحث کریں گے۔

معلوم ہوا کہ اقوالِ صحابہؓ میں سے جو قول امام ابوحنیفہؒ مناسب سمجھتے اسے لے لیتے تھے لیکن آپ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جاتے تھے۔

امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) نے صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال کے بارے میں فرمایا:

نصير منها إلى ما وافق الكتاب أو السنّة أو الإجماع أو كان أصح في القياس (۸) اگر صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال ہوں گے تو ہم ان میں سے وہ قول لیں گے جو قرآن یا سنّت یا اجماع کے موافق ہوگا یا جو قیاس میں صحیح ترین ہوگا۔

امام شافعیؒ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال کو ترجیح دیتے تھے (۹)۔ وہ اقوالِ ائمہ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال کو راجح قرار دیتے تھے۔ ائمہ صحابہ کرامؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ میں سے اس صحابی کے قول کو ترجیح دیتے تھے جو زیادہ عالم ہو (۱۰)۔ امام شافعیؒ کسی قول کو ترجیح دینے کے لیے کثرت کو بھی بنیاد بناتے ہیں۔ اگر صحابہؓ تعداد میں برابر ہوں تو پھر ان میں سے جو قول بہتر ہو اس پر عمل کیا جائے گا (۱۱)۔

اقوالِ صحابہؓ میں درجات و مراتب متعیّن کرنے کے لیے امام شافعیؒ یہ اصول بناتے ہیں کہ جو قول کتاب و سنّت سے قریب ترین ہو، اسے اختیار کیا جائے۔ اگر قُرب کے لحاظ سے سب صحابہؓ مساوی ہوں تو خلفائے راشدینؓ کا قول راجح ہے۔ لیکن تطبیق و نفاذ کے وقت امام شافعیؒ اس صحابی کا قول لیتے ہیں جو کتاب و سنّت کے قریب ترین ہو اور اسے ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ قول کسی خلیفہ راشد کے قول کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث کے مسئلہ میں امام شافعیؒ نے حضرت علیؓ کے قول پر حضرت زید بن ثابتؓ کے قول کو ترجیح دی ہے (۱۲)، کیونکہ حضرت زیدؓ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **أَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ** (۱۳) ان میں میراث کا علم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔ لہٰذا امام شافعیؒ میراث میں حضرت زیدؓ کا قول راجح قرار دیتے ہیں۔ قضا و عدالتی امور میں حضرت علیؓ کا قول راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: **وَأَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ** (۱۴) اور ان میں قضا کا علم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت علیؓ ہیں۔ امام شافعیؒ کے

نزدیک حلال وحرام کے مسائل میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول راجح ہے(۱۵) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے: وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ (۱۶)۔ان میں حلال وحرام کا علم سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۴ھ) صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے وہ قول لیتے تھے جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا تھا۔آپ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جاتے تھے۔اگر کسی قول کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہ ملتی تو اختلافی اقوال کا ذکر کر دیتے اور کسی ایک قول پر زور نہ دیتے(۱۷)۔

اقوالِ صحابہؓ میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے میں امام احمد بن حنبلؒ کا تیسرا موقف بھی روایت کیا گیا ہے۔حافظ ابن قیم جوزیہؒ (م ۷۵۱ھ) اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر صحابی نے کوئی قول کہا تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو کسی صحابی نے اس قول کی مخالفت کی، یا نہیں کی۔اگر ہم مرتبہ صحابی نے مخالفت کی مثلاً خلفائے راشدینؓ یا دوسرے صحابہؓ، تو کیا وہ قول دوسروں پر حجت ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو موقف ہیں یعنی حجیت اور عدم حجیت کے بارے میں۔یہ دونوں روایتیں امام احمدؒ سے ہیں۔صحیح یہ ہے کہ جس طرف خلفائے راشدینؓ یا دوسرے اکابر صحابہؓ ہیں وہ قول راجح اور اولیٰ ہے۔اگر ایک قول کے ساتھ خلفائے راشدینؓ ہیں تو وہ بلاشبہ صواب وصحیح ہے۔جس طرف خلفاء راشدینؓ کی اکثریت ہو، اس میں صواب غالب ہے۔اگر دونوں طرف برابر دو دو خلفاء راشدینؓ ہیں تو جس طرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں وہ قول صواب کے قریب ترین ہے۔اگر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں اختلاف ہے تو صواب حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہے۔یہ وہ اختصار ہے جس کی تفصیل ہر وہ شخص جانتا ہے جو اختلافِ صحابہؓ اور ان کے اقوال میں ترجیح کا علم ومہارت رکھتا ہے(۱۸)۔

امام ابن حزمؒ ظاہری (م ۴۵۶ھ) کی رائے میں اگر صحابہ کرامؓ ایک مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں تو ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی کے قول سے راجح واولیٰ نہیں ہے۔ایسی صورت میں واجب ہے کہ قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائے(۱۹)۔

جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے تفسیری اقوال سے متعلق لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے متعارض اقوال کو اگر ممکن ہو تو جمع کر لیں گے۔اگر جمع ممکن نہ ہو تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول مقدم کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تفسیرِ قرآن کے بارے میں بشارت دی تھی اور آپ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی(۲۰): اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ (۲۱) اے اللہ! اسے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دین میں سمجھ عطا کر اور تاویل کا علم دے۔

ائمہ کرام کی مندرجہ بالا آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی جائے گی جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب ہو، جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے۔یہی ان

اقوال میں سے بہتر کا انتخاب ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اگر کوئی قول قرآن وسنت سے قریب ترین قرار دینا ممکن نہ ہو تو وہ قول لینا بہتر ہے جو اجماع کے موافق یا قیاس میں صحیح ترین ہو، جیسا کہ امام شافعیؒ نے صراحت فرمائی ہے۔ اگر اس طور سے بھی ترجیح ممکن نہ ہو تو پھر وہ قول لینا چاہیے جس طرف صحابہؓ کی اکثریت ہو۔ اس میں بھی وہ قول راجح ہے جس پر خلفائے راشدینؓ ہوں۔ اگر ایک طرف خلفائے راشدینؓ ہیں اور دوسری طرف دیگر صحابہؓ، تو مقام ومرتبہ میں فضیلت کے لحاظ سے خلفائے راشدینؓ کا قول راجح ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں دو اقوال ہیں اور ان میں خلفائے راشدینؓ برابر، برابر ہیں تو وہ قول صواب کے قریب ترین ہے جس پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں۔ ان دونوں میں سے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول راجح ہے۔ اس کی تائید وہ آثار کرتے ہیں جن سے صحابہ کرامؓ میں فضیلت کی درجہ بندی ظاہر ہوتی ہے۔

مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان ترجیح دیا کرتے تو ہم حضرت ابوبکرؓ کو ترجیح دیتے، پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کو ترجیح دیتے تھے (۲۲)۔

حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہؒ (م ۸۱ھ) نے آپؓ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: حضرت ابوبکرؓ۔ محمد بن حنفیہؒ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا: ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا: حضرت عمرؓ۔ مجھے ڈر ہوا کہ اب وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے۔ میں نے پوچھا: تو پھر آپ ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں (۲۳)۔

اگر کسی مسئلہ میں خلفائے راشدینؓ کے بجائے دیگر صحابہؓ کے اقوال منقول ہوں تو فقیہ صحابی کا قول غیر فقیہ صحابی کے قول پر راجح ہے۔ فقہاء صحابہؓ میں سے اُس صحابی کا قول راجح ہے جو علم میں زیادہ امتیاز وفضیلت رکھتا ہو۔ مثلاً میراث میں حضرت زید بن ثابتؓ، قضا وعدالتی امور میں حضرت علیؓ، حلال وحرام کے مسائل میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور تاویل وتفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فضیلت میں احادیث آئی ہیں۔ البتہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، امام شافعیؒ نے فرائض ومیراث میں حضرت ابوبکرؓ کے قول پر حضرت زیدؓ کا قول اس بنا پر راجح قرار دیا ہے کہ فرائض میں حضرت زیدؓ کے زیادہ عالم ہونے پر نبوی شہادت موجود ہے۔

دلیل کے ساتھ ترجیح

صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی دلیل موجود ہو۔ ایک مجتہد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی قول بلا دلیل راجح قرار دے۔ یہ جمہور اصولیین کا موقف ہے۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں (۲۴):

۱۔ قولِ صحابی قوت میں کتاب وسنت سے کم ہے۔ اگر ایک مجتہد قرآن مجید یا سنتِ نبوی کے دو بظاہر متعارض حکموں

کو بغیر کسی مرجح اور خارجی دلیل کے ترجیح نہیں دیتا تو یہ بات بدرجہ اولیٰ ضروری ہے کہ ایک مجتہد صحابہ کرامؓ کے متعارض اقوال میں سے کسی قول کو بلا دلیل ترجیح نہ دے۔

۲۔ جب کسی مسئلہ میں صحابہؓ کے دو اقوال ہوں تو ان دونوں کا درست ہونا یا دونوں کا خطا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک درست وصواب ہے اور دوسرا خطا۔ کسی خارجی دلیل کے بغیر صواب یا خطا قول کی معرفت ممکن نہیں ہے۔ صواب اور خطا کے درمیان تمیز بلا دلیل نہیں ہو سکتی۔

۳۔ جب صحابہؓ نے ایک مسئلہ پر باہم اختلاف کیا تو انہوں نے اپنے مخالف کے اجتہاد اور اتباع دلیل کو جائز قرار دیا۔ مخالفت انکار کی ایک قسم ہے۔ ہر گروہ خطا وصواب میں دوسرے کے برابر ہے۔ ایک گروہ کا بلا ترجیح اتباع کرنا اور بلا دلیل ترجیح دینا تقلید ہے اور مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی قول بلا دلیل لے۔

۴۔ اختلافی اقوال میں سے کوئی قول بلا دلیل لینا اور جسے چاہا اختیار کرنا اسلام سے بغاوت ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کا دین ہمارے اختیار میں ہو جائے۔ ہم میں سے جو چاہے اور جسے چاہے حرام یا حلال قرار دے دے۔

حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ (م ۶۲۰ھ) نے لکھا ہے کہ بعض حنفی فقہاء اور بعض متکلمین کے نزدیک صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں سے کوئی ایک قول بلا دلیل لینا جائز ہے اگر کہنے والے کی بات کا انکار نہ کیا گیا ہو(۲۵) کیونکہ صحابہ کرامؓ کا اختلاف اس بات پر اِجماع ہے کہ دو اختلافی اقوال میں سے ایک قول لینا جائز ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے حاملہ کو رجم کرنے کے مسئلہ میں حضرت معاذؓ کا قول اختیار کیا تھا۔ ایک عورت کا خاوند غائب تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے حضرت عمرؓ کے سامنے اپنی حاملہ بیوی کے خلاف مقدمہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو رجم کرنا چاہا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: اگر آپ کو اس عورت پر اختیار حاصل ہے تو آپ کو اس بچے پر کوئی اختیار نہیں جو عورت کے پیٹ میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورت کو قید کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ عورت نے بچہ جنم دیا۔ خاوند نے بچہ دیکھا تو کہا: یہ بچہ میرا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: عورتیں حضرت معاذؓ جیسے کو جنم دینے سے عاجز ہیں۔ اگر حضرت معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا(۲۶)۔ حضرت عمرؓ نے کسی دوسرے صحابی کی رائے معلوم نہیں کی حالانکہ بعض اہلِ اجتہاد صحابہؓ وہاں موجود تھے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہؓ کا کوئی ایک قول بلا دلیل لینا جائز ہے۔ اس موقف کے حامی علماء میں احناف میں سے شمس الائمہ سرخسیؒ (م ۴۹۰ھ) اور متکلمین میں سے ابو علی جبائیؒ (م ۳۰۳ھ) اور ابو ہاشم جبائیؒ (م ۳۲۱ھ) کے نام بطور مثال ذکر کیے گئے ہیں(۲۷)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ کے مطابق اگر صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں اختلاف کریں تو حق اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں ہے۔ کوئی شخص ایسی رائے اختیار نہ کرے جو اقوالِ صحابہؓ سے باہر ہو۔ وہ متاخر کو مقدم کا ناسخ بنانے کے لیے ان اقوال کی تاریخ اور زمانہ معلوم کرنے میں مشغول نہ ہو، جیسے دو آیات اور دو احادیث میں کیا جاتا ہے۔ جب صحابہؓ میں اختلاف ظاہر ہو گیا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع بھی ثابت نہیں تو اس میں توقیف کا احتمال ختم ہو گیا۔ اب صرف رائے اور اجتہاد کی صورت باقی رہ گئی کہ یہ قول رائے سے کہا گیا ہے۔ ایک رائے دوسری رائے کا ناسخ نہیں ہوا کرتی۔ اقوالِ صحابہؓ میں سے کسی ایک قول کو قوت میں زیادہ ہونے کی بنا پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جب قوت میں زیادہ قول معلوم ہو جائے تو راجح قول پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر ترجیح ظاہر نہ ہو تو مسئلہ سے دوچار شخص کو اختیار ہے کہ اپنی غالب رائے میں صواب و درست قول کو اختیار کر لے۔ لیکن کسی ایک قول پر عمل کرنے کے بعد دوسرے قول پر بلا دلیل عمل نہ کرے (۲۸)۔

واضح ہوا کہ سرخسیؒ بھی یہ رائے رکھتے ہیں کہ اختلافی اقوال میں سے قوت میں زیادہ والے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ وہی قول زیادہ قوی ہے جو قوی تر دلیل پر ہے۔ قوی تر قول کو ترجیح دینا دلیل سے ترجیح دینا ہے۔ لہٰذا اقوالِ صحابہؓ میں سے جو قول دلیل و قوت میں زیادہ ہے، وہ راجح ہے۔ اگر یہ ترجیح ممکن نہیں ہے تو وہ قول اختیار کرنا چاہیے جو غالب رائے میں صواب کے قریب تر ہے۔ اگر قرآن و سنت اور اجماع سے کسی مسئلہ کا شرعی حکم نہ ملے اور اس بارے میں اقوالِ صحابہؓ پائے جاتے ہوں تو اصولِ ترجیح پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لینا چاہیے۔ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ خیر و سلامتی اسی میں ہے۔ حق صحابہ کرامؓ کے اقوال ہی میں ہے۔

دو اقوال پر اتفاقِ صحابہؓ کے بعد تیسرا قول لانا

اقوال میں اختلافِ صحابہؓ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مسئلہ میں دو اقوال ہوں جن پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو گیا ہو اور وہ دونوں اقوال تسلیم کر لیے گئے ہوں، تو کیا صحابہؓ کے بعد والوں کے لیے اسی مسئلہ میں تیسرا قول لانا جائز ہے؟

جمہور اصولیین کی رائے

اکثر علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک تیسرا قول لانا جائز نہیں ہے۔ ان کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۲۹):

۱۔ جب صحابہؓ ایک مسئلہ میں دو اختلافی اقوال رکھتے ہوں تو یہ ان کی طرف سے اس بات پر اجماع ہے کہ اس مسئلہ میں ان دو اقوال کے علاوہ کوئی تیسرا قول نہیں ہے۔ انہی دو اقوال میں رہا جائے۔ صحابہؓ کا اختلاف ان دونوں اقوال میں حق کے تعین پر ہے۔ حق ان دونوں سے باہر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ تیسرا قول اختراع کرنا جائز نہیں ہے، تیسرا قول باطل ہے۔

۲۔ اصل یہ ہے کہ سکوت، موافقت پر دلالت کرتا ہے اور اس سے اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ کا دو اقوال پر سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں وہ ان دو اقوال پر متفق ہیں اور اس پر اجماع ہے۔ جس طرح کسی مسئلہ میں ایک قول پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ اس ایک قول کے علاوہ ہر قول باطل ہے، اسی طرح صحابہؓ کا دو اقوال پر اجماع تیسرے قول کا اختراع جائز قرار نہیں دیتا۔

۳۔ صحابہؓ کا اختلاف جوازِ اجتہاد کو لازم قرار نہیں دیتا بلکہ ایسے اجتہاد کا جواز مہیا کرتا ہے جس سے صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں سے حق تلاش کیا جائے۔ یہ تیسرے قول کے لیے اجتہاد کو جائز نہیں کرتا۔

۴۔ یہ اختلاف ایسے اجتہاد کا جواز ثابت کرتا ہے جو اختلاف متعیّن ہو جانے سے قبل ہو، اس کے بعد تیسرے قول کے لیے اجتہاد کا جواز ثابت نہیں کرتا۔

۵۔ اگر قولِ ثالث جائز مان لیا جائے تو پھر یا تو وہ بلا دلیل ہوگا یا دلیل کے ساتھ ہوگا۔ اگر یہ بلا دلیل ہے تو ایسا قول ممنوع ہے۔ اگر دلیل کے ساتھ ہے تو اس سے صحابہؓ کے اختلافی اقوال میں خطا لازم آتی ہے۔ اس کے علاوہ امّت پر بھی خطا اور غفلت لازم آتی ہے کہ وہ دلیل نہ پا سکے اور غفلت میں رہے۔ یوں وہ زمانہ حق پر قائم ہونے سے خالی رہا۔ یہ جائز نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کا طویل عرصہ تک حق بات سے دُور رہنا محال ہے۔

۶۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صحابہؓ تیسرا قول حرام ہونے کی صراحت کرتے۔ کسی ایک قول پر ان کے اتفاق سے بھی دوسرے قول کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

بعض اصولیین نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر تیسرا قول صحابہ کرامؓ کی متفق علیہ چیز کو ختم کرنے والا ہے تو وہ باطل اور مردود ہے۔ اگر وہ قول متفق علیہ چیز کو ختم کرنے والا نہیں ہے تو پھر تیسرا قول لانا جائز ہے۔ یہ رائے متاخر شافعیہ مثلاً سیف الدین آمدیؒ اور مالکی اصولی ابن حاجبؒ کی ہے (۳۰)۔

آمدیؒ اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر تیسرا قول اس چیز سے ہٹ کر ہے جس پر دونوں اقوال متفق ہیں تو تیسرے قول کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ مثلاً طہارت میں نیّت کے مسئلہ پر امّت دو اقوال پر متفق ہے: ایک یہ کہ تمام طہارات مثلاً وضو اور غسل وغیرہ میں نیّت ضروری ہے، اور دوسرا یہ کہ بعض طہارات میں نیّت ضروری ہے اور بعض میں نہیں۔ یہ دونوں اقوال بعض طہارات میں نیّت کے لازمی ہونے پر متفق ہیں۔ اگر تیسرا قول یہ ہے کہ کسی بھی طہارت میں نیّت ضروری نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اگر تیسرا قول پہلے دو اختلافی اقوال کے مابین متفقہ چیز کے خلاف نہیں ہے بلکہ ایک جہت میں دونوں میں سے ہر ایک قول سے متفق ہے اور دوسرے پہلو سے مخالف ہے تو ایسا تیسرا قول جائز ہے کیونکہ اس میں اجماع کی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ایک قول یہ ہے کہ تمام طہارات میں نیّت کا اعتبار ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام طہارات میں نیّت کا اعتبار نہیں ہے۔ تیسرا قول یہ ہو کہ بعض طہارات میں نیّت کا اعتبار ہے اور بعض طہارات میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔

آمدیؒ مزید کہتے ہیں کہ امّت کا کسی مسئلہ میں دو اقوال پر اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے، اسی طرح اس مسئلہ میں تیسرا قول لانا بھی جائز ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ نے کسی مسئلہ میں دو دلائل سے استدلال کیا ہے اور عہدِ صحابہ

بھی گزر گیا تو ایک تابعی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس مسئلہ میں تیسری دلیل سے استدلال کرے، تو قولِ ثالث لانا بھی اسی طرح ہے(۳۱)۔

مثلاً بھائیوں کی موجودگی میں دادا کی میراث کے مسئلہ پر صحابہؓ کے مابین اختلاف تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کے نزدیک دادا کو تیسرا حصہ ملے گا جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک دادا کا چھٹا حصہ ہے(۳۲)۔ صحابہؓ کا اس پر اتفاق ہے کہ دادا کے لیے مال میں سے کچھ حصہ ضرور ہے۔ اگر قولِ ثالث یہ ہے کہ دادا کسی چیز کا مستحق نہیں ہے تو یہ قول باطل ہے، کیونکہ یہ قولِ صحابہ کرامؓ کی متفق علیہ بات یعنی دادا کا میراث میں کچھ حصہ ضرور ہے، کو ختم کرتا ہے۔

بعض اصولیین کا موقف

بعض علمائے اصولِ فقہ جن میں بعض اصحابِ امام ابوحنیفہؒ، بعض متکلمین اور بعض اہلِ ظاہر شامل ہیں، ان کے نزدیک تیسرا قول لانے کی مطلق اجازت ہے(۳۳)۔

مطلق جواز کے حامی علماء کہتے ہیں کہ صحابہؓ اختلافِ رائے کے جواز پر متفق تھے۔ کسی مسئلہ پر ان کے اختلافی اقوال کا ہونا تیسرے قول کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ اختلافِ صحابہؓ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ مسئلہ ابھی غور و فکر کے مرحلہ ہی میں ہے۔ تیسرا قول اجماع کے خلاف نہیں ہے۔ جس طرح اختلاف متعیّن ہو جانے سے قبل رائے قائم کرنا جائز ہے، اسی طرح بعد میں بھی تیسرا قول اختیار کرنا بھی درست ہے۔ صحابہؓ نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ تیسرا قول لانا منع ہے(۳۴)۔

جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا دو اقوال پر اتفاق ہے اور ان کا یہ اختلاف متعیّن ہو جائے تو اس کے بعد تیسرا قول لانا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس سے صحابہؓ بلکہ عہدِ صحابہؓ میں تمام امّت کی غلطی و کوتاہی لازم آتی ہے کہ وہ قولِ حق نہ پاسکے اور بعد والوں نے اسے پا لیا۔ اس سے صحابہؓ پر اجتہاد میں غفلت کا الزام آتا ہے کہ انہوں نے حق معلوم کرنے میں سستی و کوتاہی کی اور بعد والوں نے مکمل اجتہاد کر کے تیسرا قول پا لیا۔ صحابہ کرامؓ اور تمام اہلِ عصر سے یہ خطا و غفلت محال ہے۔

صحابہؓ کے اختلافی اقوال پر بحث کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اگر دو مسئلوں میں صحابہؓ کے اقوال ہوں، ایک گروہ نے دونوں مسئلوں میں ایک حکم مثلاً حرام ہونے کا حکم اختیار کیا اور وہ حکم دونوں مسئلوں پر نافذ کر دیا۔ دوسرے گروہ نے ان دونوں مسئلوں میں دوسرا حکم مثلاً حلال ہونے کا حکم اختیار کیا اور وہ حکم دونوں مسئلوں پر نافذ کر دیا۔ کیا بعد والوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان دونوں مسئلوں میں سے ایک مسئلہ میں ایک گروہ کا حکم اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے گروہ کا حکم لے لیں؟

مثلاً خاوند اور والدین، اور بیوی اور والدین، ان دونوں مسئلوں میں ماں کی میراث پر صحابہؓ کے مابین دو اختلافی اقوال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں ماں کے لیے اصل مال کا تیسرا حصہ ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں

ماں کے لیے باقی مال کا تیسرا حصہ ہے۔ مشہور تابعی ابن سیرینؒ نے یہ موقف اختیار کیا کہ بیوی اور والدین کی موجودگی میں ماں کے لیے اصل مال کا تیسرا حصہ اور خاوند اور والدین کی موجودگی میں ماں کے لیے بقیہ مال کا تیسرا حصہ ہے۔ ابن سیرینؒ نے ایک مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول اور دوسرے مسئلہ میں دیگر صحابہؓ کا قول لیا ہے(۳۵)۔

اصولیین وفقہاء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ تمام صحابہؓ نے ان دونوں مسئلوں کی برابری پر اجماع کیا ہے۔ ان دونوں میں تفریق کرنا اجماع کے خلاف ہے۔ اس کی صورت ویسی ہی ہے جیسے صحابہؓ نے ایک قول پر اجماع کیا ہے تو دوسرا قول لانا جائز نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس بات پر اتفاق نہیں کیا تھا کہ دونوں مسئلے ایک ہی حکم میں آپس میں برابر ہیں اور نہ صحابہؓ کی طرف سے ان دونوں حکموں میں سے کسی ایک حکم پر اجماع ہوا ہے۔ انہوں نے دونوں مسئلوں کو دو مختلف حکموں میں رکھا ہے۔ صحابہؓ کے بعد والوں کے لیے بھی جائز ہے وہ ان دونوں مسئلوں میں تفریق کر کے دونوں کے لیے الگ الگ حکم اخذ کریں(۳۶)۔ اگر صحابہؓ نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ دونوں مسئلے تمام احکام یا فلاں حکم میں الگ الگ نہیں ہیں تو پھر ان کے درمیان تفریق جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ان کے درمیان تسویہ اور برابری کی صراحت نہیں کی ہے تو پھر بعد والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک مسئلہ میں ایک گروہ کا قول لیں اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے فریق کا قول اختیار کر لیں۔ اس سے اجماع کی مخالفت نہیں ہوتی، نہ حکم میں اور نہ علّتِ حکم میں۔ ہر مسئلہ میں سلف کے ایک گروہ ہی کا قول لیا گیا ہے۔ سلف کا قول اختیار کرنا جائز ہے۔ بعض لوگوں نے اسے تیسرا قول لانا سمجھا ہے، ایسا سمجھنا غلط ہے۔ اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے ایک فریق سے موافقت کی گئی ہے(۳۷)۔

اس مسئلہ میں قائلین اپنے موقف میں مضبوط نظر آتے ہیں اور ان کی رائے راجح ہے۔ دونوں مسئلوں میں سے ایک میں صحابہؓ کے ایک گروہ کا قول لینا اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے گروہ کا قول لینا، یہ تیسرا قول اختیار کرنا نہیں ہے۔ ایسا کرنا صحابہؓ کے اقوال ہی میں رہنا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک مسئلہ میں صحابہؓ کے ایک فریق ہی کا قول لیا گیا ہے۔

صحابہؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر اتفاق

اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال ہوں تو کیا بعد والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق کر لیں؟ اور کیا اس سے اختلافِ صحابہؓ زائل ہو جائے گا؟ اس بارے میں علمائے اصول کے دو گروہ ہیں، ایک اس کا قائل ہے اور دوسرا اِس کی مخالفت کرتا ہے۔

احناف کا موقف

ابوبکر جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) کہتے ہیں: ہمارے اصحاب کے مطابق اہلِ عصرِ ثانی کا اجماع حجت ہے جس کی

مخالفت جائز نہیں ہے۔ اسی لیے امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اگر قاضی نے بیع اُمِ ولد کے جواز میں فیصلہ دیا تو وہ باطل ہے، کیونکہ صحابہؓ کے مابین یہ مسئلہ اختلافی تھا کہ وہ لونڈی جو اپنے آقا کی اولاد جنم دے اس کی فروخت جائز ہے یا جائز نہیں ہے۔ بعد میں مسلم قاضیوں اور فقہاء نے اجماع کرلیا کہ اُمِ ولد آزاد ہے، اس کی فروخت نہیں ہوگی اور وہ بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوگی۔ کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے امّت محمدیہ کو ضلالت وگمراہی پر جمع نہیں کیا۔ امام محمدؒ کا یہ قول ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک ایسا اجماع صحیح ہے(۳۸)۔

امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) اور امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) کے مطابق صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک پر بعد والوں کا اتفاق اجماع نہیں ہے اور اس سے اختلافِ صحابہؓ زائل نہیں ہوگا۔ شیخین کے نزدیک بیع اُمِ لولد کے جواز میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا(۳۹)۔

علاءالدین سمرقندیؒ (م ۵۸۷ھ) نے لکھا ہے: ہمارے بعض مشائخ کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اجماع نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ اجماع ہے(۴۰)۔ ابوالحسن کرخیؒ (م ۳۴۰ھ) کے مطابق بیع اُمِ ولد کے مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) کے ساتھ ہیں(۴۱)۔ ابوالحسن کرخیؒ کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا بیع اُمِ ولد کے جواز میں قاضی کا فیصلہ جائز قرار دینا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ امام ابوحنیفہؒ اُمِ ولد کے عدم جواز پر اس اجماع کو نہیں مانتے جو اس مسئلہ میں اختلاف کے بعد منعقد ہوا تھا۔ اس اجماع کا صحیح ہونا ثابت شدہ ہے۔ اس کا اِتباع لازم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسا اجماع صحیح ہے، خواہ اس کے خلاف کیا جانے والا قاضی کا فیصلہ فسخ نہ کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کی وجہ بھی بیان کی تھی جو ابوالحسن کرخیؒ کو یاد نہیں رہی۔

انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ قرآن وسنّت کی نصوص کی طرح اِجماعات کے بھی درجات ہیں۔ بعض نصوص زیادہ پختہ ہیں اور بعض کم۔ ایسی نص جو اپنے معنی میں متفق علیہ ہے، وہ اپنی حجیت لازم قرار دینے میں اس نص کے برابر نہیں ہوتی جو اپنے معنی میں مختلف فیہ ہے، اگرچہ دونوں نصوص کی حجیت ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح اِجماعات کا حکم ہے۔ قاضی کا فیصلہ فسخ کرنے کے معاملہ میں ایسے دو اِجماعات میں فرق کیا جاسکتا ہے جن میں سے ایک اجماع ایسا ہو جس سے قبل کوئی اختلاف نہیں ہوا اور دوسرا اِجماع ایسا ہو جس سے پہلے اختلاف ہوا تھا۔

اگرچہ یہ دونوں اجماعات حجت ہیں لیکن ان دونوں میں دو پہلوؤں سے فرق ہے۔ ایک یہ کہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ اجماع ہے یا نہیں ہے۔ یہ فقہاء کے درمیان ایک مشہور اختلاف ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ایسا اجماع ہے جس سے قبل اختلاف ہوا۔ اہل عصرِ اوّل نے اختلاف کیا اور اختلاف جائز رکھا۔ پس صحابہؓ کے بعد اجماع نہ ہونے کے مسئلہ پر اجتہاد جائز ہے۔ اس سے قاضی کا فیصلہ فسخ نہیں ہوتا۔ یہ اجماع اُس اجماع کے درجہ پر بھی نہیں ہے جس

سے پہلے اختلاف نہیں ہوا اور جس کے خلاف ہونے والا فیصلہ فسخ ہوگا، کیونکہ ایسا اجماع اپنے خلاف اجتہاد کو جائز نہیں رکھتا۔ واضح ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا بیع اُمِ ولد میں قاضی کا فیصلہ فسخ نہ کرنے کا موقف اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان کے نزدیک اختلاف کے بعد منعقد ہونے والا اجماع صحیح اجماع نہیں ہے(۴۲)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے بیع اُمِ ولد کے جواز میں قاضی کا فیصلہ شبہ کی بنا پر نافذ کیا ہے اور یہ شبہ اختلاف کا ہے کہ کیا ایسا اجماع، اجماع ہے؟(۴۳)۔

معلوم ہوا کہ احناف کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ اگر صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور انقراضِ عصر پایا جائے یعنی ان مجتہدین کا زمانہ گزر جائے، پھر ان کے بعد لوگ کسی ایک قول پر اتفاق کرلیں تو یہ اجماع ہے، یہ بمنزلۂ خبرِ واحد کے ہے اور اس اجماع سے اختلافِ صحابہؓ زائل ہو جاتا ہے(۴۴)۔ ابوالمظفر سمعانیؒ (م۴۸۹ھ) نے کہا ہے کہ اکثر احناف کے نزدیک اجماع سے پہلے والا اختلاف زائل ہو جائے گا اور تابعین کا اجماع منعقد ہوگا(۴۵)۔

مالکیوں کی رائے

قاضی باجیؒ (م۴۷۴ھ) کہتے ہیں: اس بارے میں امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) سے کوئی قول منقول نہیں ہے۔ اصحابِ امام مالکؒ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کے مطابق صحابہؓ کا اختلاف زائل ہو جاتا ہے اور اجماع کی مخالفت جائز نہیں ہے، جبکہ دوسروں نے کہا ہے کہ اختلاف باقی رہے گا۔ بہتر قول وہی ہے جو ہمارے شیخ ابوبکر بن صالح ابہریؒ (م۳۹۵ھ) نے اختیار کیا ہے کہ صحابہؓ کا اختلاف باقی رہے گا(۴۶)۔ ابن حاجبؒ (م۶۴۶ھ) اس اجماع کے قائل ہیں(۴۷)۔

شافعیوں کا نقطۂ نظر

اکثر شوافع کے نزدیک اجماعِ تابعین سے صحابہؓ کا اختلاف ختم نہیں ہوتا، اختلاف باقی رہے گا اور یہ اجماع، اجماع نہیں کہلائے گا(۴۸)۔ ابواسحاق شیرازیؒ (م۴۷۶ھ) کہتے ہیں کہ انقراضِ عصر کے بعد صحابہ کرامؓ کے کسی ایک قول پر تابعین کا اجماع جائز ہے لیکن اس سے اختلافِ صحابہؓ ختم نہیں ہوتا اور تبع تابعین کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ صحابہؓ کے دونوں اقوال میں سے کوئی ایک قول لے لیں(۴۹)۔ امام غزالیؒ (م۵۰۵ھ) کے نزدیک بھی اگر تابعین کسی ایک قول پر متفق ہوگئے تو دوسرا قول ترک نہیں کر دیا جائے گا اور اس پر عمل کرنے والا مخالفِ اجماع نہیں ہوگا، کیونکہ وہ پوری امت سے اختلاف نہیں کر رہا(۵۰)۔

سیف الدین آمدیؒ (م۶۳۱ھ) یہ رائے رکھتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف دو اقوال پر ٹھہر جائے اور ان کا زمانہ گزر جائے تو پھر تابعین کا کسی ایک قول پر اجماع جائز نہیں ہے(۵۱)۔ ابوبکر صیرفیؒ (م۳۴۰ھ) اور امام

الحرمین جوینیؒ (م۴۷۸ھ) نے بھی اس اجماع کی مخالفت کی ہے(۵۲)۔ قاضی بیضاویؒ (م۶۸۵ھ) نے دو اختلافی اقوال میں سے ایک پر اتفاق کو اجماع قرار دیا ہے(۵۳)۔ ابن خیر وانؒ (م۴۸۸ھ)، ابوسعید اصطخریؒ (م۳۲۸ھ) اور ابوبکر قفالؒ (م۳۲۵ھ) اسے اجماع مانتے ہیں جس سے اختلافِ صحابہؓ زائل ہو جائے گا(۵۴)۔ فخر الدین رازیؒ (م۶۰۶ھ) کا بھی یہ موقف ہے کہ عصرِ اوّل کے دو اقوال میں سے ایک قول پر اہلِ عصرِ ثانی کا اتفاق اجماع ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ہے(۵۵)۔ یہ اکثر شافعی علمائے اصول کا مذہب ہے(۵۶)۔

حنبلی اصولیین کا موقف

امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۴ھ) سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایسے اجماع کے قائل نہیں تھے(۵۷)۔

مخالفین کے دلائل

ایک مسئلہ میں صحابہؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک پر اہلِ عصر ثانی کا اتفاق اجماع تسلیم نہ کرنے والوں کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں(۵۸):

۱۔ قرآن مجید میں حکمِ ربانی ہے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ[النساء ۵۹:۴] اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو۔ لہٰذا تنازعات میں اجماع کے بجائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

۲۔ فرمانِ نبوی ہے: أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ(۵۹) میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث کا ظاہر یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہر صحابی کا قول لینا جائز ہے اور ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ اس قول کے بعد اجماع ہے یا نہیں ہے۔ اگر اہلِ اجماع کا قول لینا واجب ہو جائے تو اس سے حدیث کی تخصیص لازم آتی ہے۔

۳۔ اہلِ عصرِ اوّل کا اختلاف اس بات پر اتفاق تھا کہ دونوں اقوال میں سے جس کو چاہے لے لیں۔ اگر عصرِ ثانی میں ایک قول پر اجماع منعقد ہو جائے تو یہ دونوں اجماع ایک دوسرے کو ہٹانے والے ہوں گے، دونوں میں تعارض ہوگا اور دو اجماع میں تعارض باطل ہے۔

۴۔ اہلِ عصرِ اوّل کا جوازِ اختلاف پر اجماع تھا۔ اختلاف کو ناجائز کہنا اجماع کی مخالفت ہے۔

۵۔ جب کسی مسئلہ میں امت کے دو اقوال ہوں اور غور و اجتہاد مکمل ہونے کے بعد وہ اختلاف متعین ہو جائے اور ٹھہر جائے تو یہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں اقوال میں سے کوئی ایک قول اجتہاد یا تقلید سے لینا جائز ہے اور انہوں نے جس پر اجماع کیا ہے اس میں وہ خطا سے معصوم ہیں۔ اگر عصرِ ثانی میں کسی ایک قول پر اجماع ہو جائے اور مجتہد کے لیے دوسرا

قول لینا منع ہو تو اس سے اہل عصرِ اوّل کی خطا ثابت ہوتی ہے۔ یہ محال ہے کہ اس قول کو لینے کا جواز اور ممانعت دونوں بیک وقت حق ہوں۔ پس ضروری ہے کہ ان میں سے ایک خطا ہو، یا وہ دونوں قطعی اجماعوں میں سے ایک کو لازمی خطا ماننے جو کہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ عصرِ اوّل کے دو اقوال مین سے ایک قول پر تابعین کا اجماع ممنوع امر کی طرف لے کر جاتا ہے۔

۶۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے ایک قول لازمی غلط و خطا ہے بلکہ اجتہادی مسائل میں ہر مجتہد مصیب و درست ہے۔

۷۔ صحابہؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر عصرِ ثانی کا اجماع درست مان لینے سے قولِ صحابی کی گمراہی لازم آتی ہے۔ ان کا قول یقینی خطا والا ہو جاتا ہے، جبکہ صحابہؓ نے اسے حق جانا تھا۔ خطا کو حق ماننا گمراہی ہے اور یہ صحابہؓ کے حق میں ناگوار ہے۔

۸۔ صحابہؓ نے جس مسئلہ میں اختلاف کیا اس میں وہ زندوں کے مانند ہیں۔ ان کے اقوال محفوظ کیے جاتے ہیں۔ ان کے حق اور مخالفت میں دلائل قائم کیے جاتے ہیں۔ جس طرح ان کی زندگی میں ان کے اختلافی اقوال کے ہوتے ہوئے اجماع ممکن نہیں، اسی طرح ان کی وفات کے بعد بھی اجماع منعقد نہیں ہو سکتا۔ صحابی کے اختلافی قول کا اعتبار اس کی دلیل کی وجہ سے ہے، صحابی کی زندگی یا موت کی وجہ سے نہیں ہے۔ امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کا قول ہے: مذاہب اپنے اصحاب کی موت سے ختم نہیں ہو جاتے (۶۰)۔

قائلین کے دلائل

صحابہ کرامؓ کے دو اختلافی اقوال میں سے اک قول پر اہلِ عصرِ ثانی کا اجماع جائز قرار دینے والوں کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں (۶۱):

۱۔ ہر زمانہ کے لوگوں کا اجماع معتبر ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا [النساء ۴:۱۱۵] اور جو شخص مخالفت کرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد کہ اس کے لیے راہِ ہدایت واضح ہو گئی اور جو مسلمانوں کی راہ کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھرا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے۔

جس چیز پر اہلِ عصرِ ثانی نے اجماع کیا ہے وہ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْن یعنی مسلمانوں کا راستہ ہے، لہٰذا اس کا اتباع و پیروی واجب ہے۔

۳۔ اس میں صحابہؓ کی گمراہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ عمل کے واجب قرار دینے میں ان کی خطا ہو سکتی ہے۔ اعتقاد میں

خطا پر گمراہی ہوتی ہے۔ عمل کے وجوب میں خطا پر معافی و درگزر ہے۔

۴۔ اختلافی اقوال میں خطا موجود ہوتی ہے، کیونکہ حق ایک ہے۔

۵۔ یہ دلیل کہ قرآن مجید میں ہے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ [النساء ۴: ۵۹] اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرو، اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قول پر متفق ہونے کے بعد اہلِ عصرِ ثانی حالتِ تنازعہ میں نہیں ہیں۔ اب ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا واجب نہیں ہے۔

۶۔ یہ دلیل کہ حدیثِ نبوی ہے: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ میرے صحابہ کرامؓ ستاروں کے مانند ہیں، تم نے ان میں سے جس کی بھی پیروی کی تم نے ہدایت پائی۔ یہ حدیث صحابہؓ کے اس زمانۂ غور و فکر کے ساتھ مخصوص ہے جو انہوں نے کسی مسئلہ پر حکم لگانے سے قبل گزارا تھا۔ اس دوران اُن کی کسی بھی رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی طرف سے مسئلہ کے کسی ایک حکم پر انعقادِ اجماع کے بعد ان کی پیروی جائز نہیں ہے بلکہ اب اجماع پر عمل ہوگا۔

۷۔ اگر تیسرے قول کے عدم جواز پر اجماع ہے تو پھر تیسرا قول لانا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ کسی شرط سے مشروط ہے تو پھر اس شرط کی عدم موجودگی میں تیسرا قول لانا جائز ہے۔

۸۔ ابو بکر جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) نے مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دو اقوال میں سے ایک قول پر عصرِ ثانی میں اجماع ہوا اور فقہائے امصار اس پر متفق ہوئے تھے:

حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق دورانِ عدّت نکاح کرنے والی عورت کا مہر بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مہر عورت کو ملے گا۔ سلف کا یہ مشہور اختلافی مسئلہ تھا۔ ان کے بعد امّت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ جب مہر واجب ہو جائے تو وہ اس عورت کا ہے اور وہ بیت المال میں جمع نہیں ہوگا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حاملہ بیوہ کی مدتِ عدّت وضعِ حمل تک ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے میں وضعِ حمل اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت بعد میں ختم ہو، اس سے عدّت پوری ہوگی۔ یہ اختلاف صحابہ کرامؓ میں مشہور و ظاہر تھا۔ اس بارے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تھا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ [الطلاق ۶۵: ۴] (اور حاملہ کی عدّت وضعِ حمل تک ہے)، یہ آیت مندرجہ ذیل آیت کے بعد نازل ہوئی: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا [البقرة ۲: ۲۳۴] (اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں)۔ اس کے بعد فقہائے امصار اس پر متفق ہو گئے کہ حاملہ

بیوہ کی عدّت وضع حمل ہے۔

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عمران بن حُصَینؓ کی رائے تھی کہ بیویوں کی مائیں مبہمہ ہیں یعنی وہ کسی وصف سے مقیّد نہیں اور وہ محض عقدِ نکاح کی وجہ سے حرام ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کی رائے تھی کہ وہ ربائب (۶۲) کی طرح ہیں اور وطی یعنی جسمانی تعلقات کے بغیر حرام نہیں ہوں گی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو قبل از دخول طلاق دی تو وہ اس کی ماں سے شادی کر سکتا ہے، اگر بیوی اس کے پاس فوت ہوگئی تو پھر بیوی کی ماں سے شادی نہیں کر سکتا۔ سلف کے درمیان یہ مشہور اختلافی مسئلہ تھا۔ ان کے بعد فقہاء اس پر متفق ہو گئے کہ بیویوں کی مائیں محض عقدِ نکاح کی وجہ سے حرام ہیں (۶۳)۔

زیر بحث مسئلہ میں قائلین کا موقف راجح اور ان کے دلائل مضبوط نظر آتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے دو اقوال میں سے ایک پر بعد والوں کا اتفاق اجماع ہے۔ اہلِ عصرِ ثانی نے دو میں سے ایک قول پر اتفاق کر کے تیسرا قول اختراع نہیں کیا بلکہ سب نے متفقہ طور پر ایک قول لیا ہے۔ وہ اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں نکلے۔ اگر ان کے اختلافی اقوال میں سے ایک کو ترجیح دینا بعد والوں کے لیے جائز ہے تو پھر ان سب کا کسی ایک قول پر اتفاق کرنا بھی درست ہے۔ اس میں صحابہ کرامؓ کی تضلیل و گمراہی نہیں ہے۔ وہ خود تسلیم کرتے تھے کہ اختلافی رائے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے متعدد مرتبہ اپنے اقوال سے رجوع کر کے قولِ مخالف اختیار کیا۔ اس میں ان کی کوئی تضلیل نہیں تھی۔ تمام اختلافی اقوال حق نہیں ہو سکتے، حق ایک قول میں ہے۔

صرف عام معتزلہ اور اکثر اشعریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اختلافی مسائل میں حق، اللہ تعالیٰ کے ہاں متعیّن نہیں ہوتا، اجتہادی مواقع میں حق ایک سے زائد ہوتے ہیں (۶۴)۔

جمہور فقہاء اور علمائے اصولِ فقہ کے نزدیک دو مختلف اقوال بیک وقت حق نہیں ہو سکتے۔ حق صرف ایک ہے۔ اگرچہ وہ ہمارے سامنے متعیّن نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں متعیّن ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک چیز ایک زمانہ میں ایک شخص پر حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو (۶۵)۔ حق ایک میں ہے، اگر اس کے بغیر حکم دیا تو حق کے بغیر حکم دیا۔ ہم اس بات کے مکلّف و ذمہ دار نہیں ہیں کہ ہمارا قول بہر طور حق پر ہو۔ ہم طلبِ حق میں اجتہاد کے مکلّف ہیں۔ طلبِ حق میں اجتہاد نہ کرنے والا گناہ گار ہے لیکن اجتہاد میں غلطی پر ایک اجر ہے اور مجتہد کی خطا پر اسے کوئی گناہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

إِنْ أَنْتَ قَضَيْتَ بَيْنَهُمَا فَأَصَبْتَ الْقَضَاءَ فَلَكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَإِنْ أَنْتَ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ (۶۶)

اگر تم نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہیں، اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِنْ حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (٦٧)

جب حاکم نے کوئی حکم دیا، پس اس نے اجتہاد کیا پھر وہ درست رہا تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اگر اس نے حکم دیا پھر اس نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

واضح ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں خطا بھی ممکن ہے۔ حق ایک قول میں ہے۔ اختلافی اقوال میں سے ایک پر اتفاق سے صحابہ کرامؓ کی تضلیل وگمراہی لازم نہیں آتی۔ اگر وہ اپنے کسی قول میں خطا پر ہیں تو اس وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہیں۔ اس پر بھی انہیں اجر ملا ہے۔ مجتہد اپنے اجتہاد میں ماجور من اللہ ہوتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حق صرف ایک قول میں ہے۔

مندرجہ بالا بحث یہ واضح ہو گیا کہ اسلامی قانون میں اصول ترجیح کیا ہے اور صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کے لیے فقہاء اور اصولیین نے کیا کیا معیارات مقرر کیے ہیں۔ دین کی روایات کو ہم تک پہنچانے والوں میں اوّلین طبقہ حضرات صحابہ کرامؓ کا ہے۔ امّت کے فقہاء اور اصولیین نے صحابہ کرامؓ کے اختلافی اقوال کو تشریعی اہمیت دی ہے۔ کسی غیر منصوص اور اجتہادی مسئلہ میں صحابہؓ کے اختلافی اقوال ہونے کی صورت میں اس مسئلہ پر عمل موقوف نہیں کیا جائے گا بلکہ ان میں ترجیح قائم کی جائے گی۔ ایک مسئلہ میں اختلافی اقوال پر بیک وقت عمل ممکن نہیں ہوتا۔ ایک وقت میں ایک ہی قول پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ قول کون سا ہو اس کے لیے اصولِ ترجیح پر عمل کیا جائے گا۔ اسی اصول کو اسلامی قانون کے فقہاء و اصولیین کی آراء کی روشنی میں اس مقالہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ہمارے فقہاء کرام غیر منصوص امور میں قانون سازی کرتے وقت اقوالِ صحابہؓ سے باہر نہیں جاتے تھے۔ وہ انہی کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو دلائل کے ساتھ ترجیح دیتے اور اس پر حکم قائم کرتے تھے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ معجم لغة الفقهاء ۱/۱۲۸

۲۔ شاہ ولی اللہ، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، مترجم صدر الدین اصلاحی، ص ۱۴۳، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۰ء

۳۔ دبوسی، ابوزید عبداللہ بن عمرو بن عیسیٰ حنفی (م ۴۳۰ھ)، تقويم الأدلّة في اصول الفقه، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان + مكتبة عباس احمد الباز مكة المكرمة طبع اوّل ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء، ص ۲۵۸

۴۔ سرخسی، ابوبکر محمد بن ... بن ابی سہل حنفی (م ۴۵۰ھ)، المحرر في اصول الفقه، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء ۲/۸۷۔ عبدالعزیز بخاری، علاء الدین بن احمد حنفی (م ۷۳۰ھ)، كشف الأسرار عن اصول فخر الإسلام البزدوي، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ۳/۳۳۳

۵۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد قرطبی (م ۴۶۳ھ)، الإنتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء مالك و الشافعي و ابي حنيفة و ذكرعيون من اخبارهم و اخبار اصحابهم للتعريف بجلالة اقد ارهم، مكتبة القدسي ،قاهرة ۱۳۵۰ھ، ص ۱۴۲

۶۔ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد بن علی شافعی (م ۹۷۳ھ)، الميزان الكبرىٰ و بهامشه رحمة الأمة في اختلاف الأئمة لأبي عبدالله محمد بن عبدالرحمن دار الفكر، طبع اوّل، سال اشاعت ندارد ۱/۶۵

۷۔ الإنتقاء ص ۱۴۴

۸۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام (م ۲۰۴ھ)، الرسالة، المكتبة العلمية، بيروت لبنان، سال اشاعت ندارد ص ۵۹۷

۹۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی شافعی (م ۴۵۸ھ)، معرفة السنن و الآثار، تحقيق الدكتور عبد المعطى امين قلعجي، جامعة الدراسات الإسلامية، کراچی پاکستان، طبع اوّل ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء، ۱/۱۸۳۔ غزالی، ابوحامد محمد بن محمد بن محمد شافعی (م ۵۰۵ھ)، المستصفى من علم الأصول و بذيله فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت، منشورت الشريف الرضى قم+ المطبعة الأميرية ببولاق مصر المحمية، طبع اوّل ۱۳۲۴ھ، ۱/۲۷۲۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین (م ۴۵۸ھ)، مناقب الشافعي، تحقيق السيد احمد صقر، دا رالتراث، قاهرة، طبع اوّل ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء، ۱/۳۸۰۔ زرکشی، بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ شافعی (م ۷۹۴ھ)، البحر المحيط في اصول الفقه، دارالصفوة للطباعة و النشر و التوزيع بالغردقة+ وزارة الأوقاف و الشؤن الإسلامية كويت، طبع دوم ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء، ۶/۵۴

زرکشیؒ لکھتے ہیں: بعض مواقع پر امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: میں ائمہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے قول کو بنیاد بنا کر کہوں گا، اور وہ حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کرتے۔ زرکشیؒ نے ابن القطانؒ کی وضاحت نقل کی ہے کہ ہم امام شافعیؒ کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتے کہ انہوں نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے اخذ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے دوسروں پر اکتفا کرتے ہوئے حضرت علیؓ کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ان میں سے بعض کا بعض سے پتہ چل جاتا ہے، لہٰذا بعض کی طرف اشارہ کیا۔ اسی لیے امام شافعیؒ نے بعض مواقع پر صرف ابوبکرؓ اور عمرؓ فرمایا۔ البحر المحيط في أصول الفقه ۲/۶۷-۶۸

۱۰۔ المستصفىٰ مع فواتح الرحموت ۱/۲۷۲۔ مناقب الشافعي ۱/۳۸۱،۴۳۴

۱۱۔ مناقب الشافعی ۳۸۱/۱

۱۲۔ شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس، امام (م ۲۰۴ھ)، **الأمّ، إختلاف علی وعبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنهما، باب الفرائض** ، مع مختصر المُزَنی، دار الفکر، بیروت، طبع دوم ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ۱۸۹/۷

۱۳۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، **صحیح الترمذی** بشرح عارضة الأحوذی للإمام الحافظ ابن العربی المالکی (م ۵۴۳ھ)، **کتاب المناقب، مناقب معاذ بن جبل** ؓ، دار احیاء التراث الإسلامی، بیروت لبنان، طبع اول ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء، ۲۰۲/۱۳

۱۴۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۳ھ)، **سنن ابن ماجه، المقدمة، کتاب السنّة، باب فی فضائل أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فضائل خباب رضی اللّٰه عنه** ، دار المعرفة، بیروت لبنان، طبع اول ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء، ۱۰۲/۱

۱۵۔ جوینی، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف شافعی (م ۴۷۸ھ)، **البرهان فی اصول الفقه** ، طبع علی نفقة صاحب السمو الشیخ خلیفة بن احمد آل ثانی امیر دولة قطر طبع اوّل ۱۳۹۹ھ، ۱۲۸۳/۲، ۱۲۸۴

۱۶۔ **صحیح الترمذی، کتاب المناقب، مناقب معاذ بن جبل و زید بن ثابت و أبی عبیدة بن الجراح رضی اللّٰه عنهم** ۲۰۴/۲

۱۷۔ ابویعلیٰ محمد بن الحسین الفرّاء بغدادی حنبلی (م ۴۵۸ھ)، **العدة فی أصول الفقه** ، تحقیق الدکتور احمد بن علی سیر المبارکی، حقوق الطبع محفوظة للمحقق، ریاض، المملکة العربیة السعودیة، طبع اوّل ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء، ۱۱۹۸/۴۔ ابن قیم، شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الجوزیہ دمشقی حنبلی (م ۷۵۱ھ)، **اعلام الموقعین عن رب العالمین** ، دار الجیل للنشر و التوزیع و الطباعة، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد، ۳۱/۱

۱۸۔ **اعلام المؤقعین** ۱۱۹/۴

۱۹۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید اندلسی ظاہری (م ۴۵۶ھ)، **المحلیٰ بالآثار** فی شرح المحلی بالإختصار علی ما أوجبه القرآن و السنن الثابتة عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، تحقیق الدکتور عبد الغفار سلیمان بغدادی، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، ۱۳۵/۱

۲۰۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر (م ۹۱۱ھ)، **الإتقان فی علوم القرآن** ، دار الکتب العربی، بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ۴۵۵/۲

۲۱۔ ابن سعد، ابی عبداللہ محمد بن سعد بن منیع بصری (م ۲۳۰ھ)، **الطبقات الکبریٰ** ، دار صادر، بیروت ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء، ۳۶۵/۲۔ مسلم بن الحجاج، ابوالحسین قشیری (م ۲۶۱ھ)، **صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة** ؓ، **باب من فضائل عبداللّٰه بن عباس** ؓ، دار الفکر، بیروت لبنان، طبع دوم ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ۱۹۲۷/۴

۲۲۔ **صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضل أبی بکر** ؓ **بعد النّبی صلی اللّٰه علیه وسلّم** ۵۱۶/۱

۲۳۔ **صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب** ۵۱۸/۱

۲۴۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد دمشقی حنبلی (م ۶۲۰ھ)، **روضة الناظر و جُنّة المناظر فی أصول الفقه علی**

مذہب الإمام احمد بن حنبل و صحہا شرحہا مزہۃ الخاطر العاطرلبدران، مطبعۃ سلفیۃ ،مصر ۱۳۴۲ھ، ۱/۴۰۶۔ طوفی،نجم الدین ابی الربیع سلیمان بن عبدالقوی بن عبدالکریم حنبلی (م ۷۱۶ھ)، شرح مختصر الروضۃ ، ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،طبع اوّل ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء، ۳/۱۸۸۔ نملہ،عبدالکریم بن علی بن محمد،دکتور،حنبلی،اتحاف ذوی البصائر بشرح روضۃ الناظر فی أصول الفقہ علی مذہب الإمام احمد بن حنبل، مکتبۃ الرشد،الریاض ، طبع اوّل ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، ۳/۱۳۵۳۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۴/۱۲۰۸۔ الواضح فی أصول الفقہ ۵/۲۲۸۔ابن حزم،ابومحمد علی بن احمد بن سعید اندلسی ظاہری (م ۴۵۶ھ)،الإحکام فی اصول الأحکام، السنّۃ ادارۃ الترجمۃ و التالیف ،فیصل آباد پاکستان، طبع اوّل ۱۴۰۴ھ، ۶/۷۶۔ البحر المحیط فی أصول الفقہ ۶/۶۷

۲۵۔ روضۃ الناظر ۱/۴۰۶

۲۶۔ ابن عبدالبر،ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن سلام مالکی (م ۴۶۳ھ)،جامع بیان العلم و فضلہ ، دار ابن الحوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اوّل ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، ۲/۹۲۰۔ اتحاف ذوی البصائر ۳/۱۳۵۵

۲۷۔ اتحاف ذوی البصائر ۳/۱۳۵۳ ومابعد

۲۸۔ المحرر فی أصول الفقہ ۲/۸۷

۲۹۔ المحرر فی أصول الفقہ ۱/۲۳۸۔عبدالعزیز بخاری،علاءالدین بن احمد حنفی (م ۷۳۰ھ)، کشف الأسرار عن اصول فخر الإسلام البزدوی، دارالکتب العلمیۃ،بیروت لبنان ،طبع اوّل ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء،۳/۳۴۷ ومابعد۔ تقویم الأدلّۃ ص ۲۵۹۔ صدرالشریعہ،عبیداللہ بن مسعود حنفی (م ۷۴۷ھ)،التوضیح مع حاشیۃ التلویح للتفتازانی (م ۷۹۲ھ)،نورمحمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی ۱۴۰۰ھ، ۲/۴۹۸۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۴/۱۱۱۳۔ باجی،ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد اندلسی قرطبی مالکی (م ۴۷۴ھ)،الإشارۃ فی اصول الفقہ ، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ،ریاض ، طبع دوم ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ص ۴۰۰۔ البرھان فی أصول الفقہ ۲/۷۰۶۔ ابن عقیل،ابوالوفاء علی بن عقیل بن محمد بغدادی حنبلی (م ۵۷۳ھ)،الواضح فی أصول الفقہ ، مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت ، طبع اوّل ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ۵/۲۲۷۔ بصری،ابوالحسین محمد بن علی الطیّب بصری معتزلی (م ۴۳۶ھ)،المعتمد فی أصول الفقہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ، طبع اوّل ۱۴۰۳ھ،۲/۴۴۔ روضۃ الناظر ۱/۳۷۷ ومابعد۔ غزالی،ابوحامد محمد بن محمد بن محمد شافعی (م ۵۰۵ھ)،المنخول من تعلیقات الأصول، دارالفکر، دمشق طبع دوم ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، ص ۳۲۰۔ سمعانی،ابوالمظفر منظور بن محمد بن عبدالجبار شافعی (م ۴۸۹ھ)، قواطع الادلّۃ فی الأصول، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ، طبع اوّل ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ۱/۴۸۸،۲/۳۱۔ شیرازی،ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف فیروزآبادی شافعی (م ۴۷۶ھ)،التبصرۃ فی أصول الفقہ ، دار الفکر، دمشق ، سوریا ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ص ۳۸۷۔ سبکی،شیخ الإسلام علی بن عبدالکافی شافعی (م ۷۵۶ھ) وولدہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی (م ۷۷۱ھ)،الإبھاج فی شرح المنھاج علی منھاج الوصول علی علم الأصول للبیضاوی (م ۶۸۵ھ)،دارالکتب العلمیۃ ، بیروت لبنان،طبع اوّل ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، ۲/۳۶۹۔ شیرازی،ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف فیروزآبادی شافعی (م ۴۷۶ھ)،اللمع فی أصول الفقہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ص ۹۳۔ آمدی،سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد شافعی (م ۶۳۱ھ)،الإحکام فی اصول

الأحکام، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ۱/۲۲۷ ومابعد. اتحاف ذوی البصائر ۲/۱۲۴۹

۳۰۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد (م ۱۲۵۰ھ)، ارشاد الفحول إلی تحقیق علم الأصول، دارالفکر، بیروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ص ۱۵۷۔ سبکی، شیخ الاسلام علی بن عبدالکافی شافعی (م ۷۵۶ھ) وولدہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی (م ۷۷۱ھ)، الإبھاج فی شرح المنھاج علی منھاج الوصول علی علم الأصول للبیضاوی (م ۶۸۵ھ)، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان طبع اوّل ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، ۲/۳۶۹۔ اسنوی، جمال الدین ابومحمد عبدالرحیم بن الحسن شافعی (م ۷۷۲ھ)، نھایۃ السُّول فی شرح منھاج الأصول للبیضاوی (م ۶۸۵ھ) و معہ حاشیۃ سلّم الوصول للمطیعی عالم الکتب، سال اشاعت ندارد، ۳/۲۶۹

۳۱۔ آمدی، سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد شافعی (م ۶۳۱ھ)، الإحکام فی اصول الأحکام، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ۱/۲۲۸ ومابعد

۳۲۔ دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام (م ۲۵۵)، سنن الدارمی، کتاب الفرائض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، سال اشاعت ندارد، ۲/۳۵۲ تا ۳۵۷

۳۳۔ التبصرۃ فی أصول الفقہ ص ۳۸۷۔ روضۃ الناظر ۱/۳۷۷۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۷

۳۴۔ المنخول من تعلیقات الأصول ص ۳۲۰۔ التبصرۃ فی أصول الفقہ ص ۳۸۷۔ ارشاد الفحول ص ۱۵۷۔ الإبھاج فی شرح المنھاج ۲/۳۶۹۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۴/۱۱۱۳۔ روضۃ الناظر ۱/۳۷۷۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار ۳/۳۴۷۔ الإشارۃ فی أصول الفقہ ص ۴۰۰

۳۵۔ رازی، فخرالدین ابوعبداللہ محمد بن عمر شافعی (م ۶۰۶ھ)، المحصول فی علم اصول الفقہ، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اوّل ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء، ۳/۸۴۴۔ ابن برہان، احمد بن علی بغدادی شافعی (م ۵۲۰ھ)، الوصول إلی الأصول، مکتبۃ المعارف، ریاض، طبع اوّل، جلد اوّل ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، جلد دوم ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، ۲/۱۱۱

۳۶۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۴/۱۱۶۔ التبصرۃ فی أصول الفقہ ص ۳۹۰۔ قواطع الأدلّۃ ۲/۳۳۔ الوصول إلی الأصول ۲/۱۱۱۔ اللمع فی أصول الفقہ ص ۹۴۔ نھایۃ السول ۳/۲۷۷

۳۷۔ المحصول فی علم أصول الفقہ ۳/۸۴۲۔۸۴۳۔ الوصول إلی الأصول ۲/۱۱۱۔ العدۃ فی أصول الفقہ ۴/۱۱۶۔ اللمع فی أصول الفقہ ص ۹۴

۳۸۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی (م ۳۷۰ھ)، اصول الجصاص المسمیٰ الفصول فی الأصول، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء، ۲/۱۵۹

۳۹۔ سرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل حنفی (م ۴۵۰ھ)، المحرر فی اصول الفقہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ۱/۲۳۹۔ عبدالعلی محمد بن نظام الدین انصاری ہندی حنفی (م ۱۲۲۵ھ)، فواتح الرحموت بھامش المستصفیٰ للغزالی، المطبعۃ الأمیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ، طبع اوّل ۱۳۲۴ھ + منشورات الشریف الرضی قم، سال اشاعت ندارد ۲/۲۲۷

۴۰۔ سمرقندی، علاء الدین ابوبکر محمد بن احمد بن ابی احمد حنفی (م ۵۳۹ھ)، میزان الأصول فی نتائج العقول، مکتبۃ

دار التراث، قاهرة، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ص ۵۰۷

۴۱۔ فواتح الرحموت ۲/۲۲۷

۴۲۔ أصول الجصاص ۲/۱۶۰

۴۳۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۹

۴۴۔ أصول الجصاص ۲/۱۵۹۔المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۹۔ میزان الأصول ص ۵۰۷۔ مسلّم الثبوت ۲/۲۲۶

۴۵۔ قواطع الأدلة ۲/۳۰

۴۶۔ الإشارة فی أصول الفقه ص ۳۰۲

۴۷۔ ابن حاجب، جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمرو بن ابی بکر مالکی (م ۶۴۶ھ)، منتهی الوصول و الأمل فی علمي الأصول و الجدل، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان ، طبع اوّل ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ص ۶۲۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۵

۴۸۔ قواطع الأدلّة ۲/۳۰

۴۹۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۲

۵۰۔ المستصفٰی مع فواتح الرحموت ۱/۲۰۳

۵۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۳۵

۵۲۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۱۴۷۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۵۷

۵۳۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۶۔ نهایة السول ۳/۲۸۱

۵۴۔ اللمع فی أصول الفقه ص ۹۳۔ قواطع الأدلّة ۲/۳۰

۵۵۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۲۸۶

۵۶۔ مطیعی، محمد بخیت شافعی، سلّم الوصول لشرح نهایة السول للأسنوی (م ۷۷۲ھ) فی شرح منهاج الأصول للبیضاوی (م ۶۸۵ھ) عالم الکتب، سال اشاعت ندارد، ۳/۲۸۲

۵۷۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۵

۵۸۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۴۶ ومابعد۔ الإبهاج فی شرح المنهاج ۲/۳۷۷ ومابعد۔ المنخول من تعلیقات الأصول ص ۳۲۱۔ آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام ۱/۲۳۴۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۹۔ میزان الأصول ص ۵۰۸ ومابعد

۵۹۔ جامع بیان العلم و فضله ۲/۹۲۵

۶۰۔ البرهان فی أصول الفقه ۱/۷۱۵

۶۱۔ المحرر فی أصول الفقه ۱/۲۳۹۔ المحصول فی علم أصول الفقه ۳/۸۴۶، ۸۴۹-۸۵۰۔ میزان الأصول ص ۵۱۲۔ مسلّم الثبوت ۲/۲۲۸

۶۲۔ ربائب کا واحد ہے ربیبہ۔ اس سے مراد وہ لڑکی ہے جو ایک شخص کے گھر میں پرورش پائے جو اس کی بیوی کے پہلے خاوند سے ہو۔ ایسی